Teacher: SUFIA SHIREEN 2nd Semester e.c. B

Topic -: Masnavi (مثنوی)

Notes:1

مثنوی کی تعریف اور اجزائے ترکیبی

مثنوی کی تعریف :- لفظ مثنوی عربی زبان کا لفظ ہے ۔ یہ "مثنیٰ" سے مشتق ہے جس کے معنی دو، دو کیا گیا یا دو دو کے ہیں ۔ اسے دو بیتی بھی کہتے ہیں ۔ اس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر شعر کا قافیہ دوسرے اشعار کے قافیے سے مختلف ہوتا ہے ۔ مثنوی کے اشعار ایک ہی بحر میں ہوتے ہیں ۔ مثلاً یہ اشعار دیکھئے :-

پلا مجھ کو ساقی شراب کہن　　کہ مفتوح ہو جس سے باب سخن
سخن کے طلبگار ہیں عقلمند　　سخن سے ہے نام نکویاں بلند
سخن کا سودا گر بازار ہے　　سخن سنج اس کا خریدار ہے

مثنوی ایک مقبول صنف سخن ہے ۔ اس میں کوئی طویل داستان یا قصہ نظم کیا جاتا ہے اس صنف شاعری میں ہر قسم کے خیالات، واقعات اور موضوعات کو تفصیل سے بیان کئے جا سکتے ہیں ۔ اسی لئے اردو کے ممتاز نقاد الطاف حسین حالی نے کہا ہے کہ

"مثنوی سب سے زیادہ مفید اور کارآمد صنف ہے۔"

مولانا شبلی کے خیال میں :

"یہ صنف تمام انواع شاعری کی بہ نسبت زیادہ مفید زیادہ وسیع اور زیادہ ہمہ گیر ہے۔"

مثنوی کے اجزائے ترکیبی :- اصناف سخن میں مثنوی کی بڑی اہمیت ہے ۔ یہ صنف بیانیہ شاعری کی معراج سمجھی جاتی ہے ۔ یہ پانچ اجزا سے مل کر بنتی ہے

(۱) پلاٹ (۲) کردار نگاری (۳) منظر نگاری (۴) جذبات نگاری (۵) زبان و بیان

پلاٹ :- مثنوی کے لئے ربط و تسلسل بے حد ضروری ہے ۔ مثنوی میں واقعات کا ایک سلسلہ ہوتا ہے اس لئے تسلسل کی اہمیت بڑھ جاتی ہے ۔ چنانچہ اسی لئے ضروری سمجھا گیا کہ مثنوی کا ہر شعر دوسرے سے زنجیر کی کڑیوں کی طرح مربوط اور جڑا ہوا ہو ۔ مثنوی میں پلاٹ کی تعمیر ایسی ہونی چاہئے کہ ایک واقعہ سے دوسرا واقعہ از خود نکل آئے ۔ جن ضمنی واقعات سے قصہ آگے بڑھتا ہے ان میں بھی ایک منطقی ربط و تسلسل اور تناسب و توازن ہو ۔ واقعات کو پیش کرتے ہوئے جزئیات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے ۔

کردار نگاری :- چونکہ قصہ افراد کی مدد سے آگے بڑھتا ہے اس لئے مثنوی میں کردار نگاری کی اہمیت بہت زیادہ ہے ۔ قصہ کی دلچسپی میں اضافہ کرداروں

Scanned with CamScanner

ہی سے ہوتا ہے۔ مثنوی میں مختلف طبقے اور عمر کے لوگ ہوتے ہیں۔ یہاں بادشاہ بھی ہیں وزیر بھی۔ شہزادیاں بھی ہیں اور وزیرزادے بھی، آقا بھی نوکر بھی۔ بچے بھی جوان بھی۔ عالم بھی ہیں اور جاہل بھی۔ غرض ہر ایک کا طرزِ زندگی مختلف اور گفتگو کا ڈھنگ جدا ہوتا ہے۔ باکمال شاعری وہی ہے جو تمام کرداروں کو اس طرح پیش کرے کہ وہ خوبیوں اور خامیوں سمیت سامنے آ جائیں۔ ان میں زندگی کی حرکت ہو۔ وہ کٹھ پتلی نہ بن جائیں۔ زمانہ اور ماحول کا اثر ان پر ہو۔

جذبات نگاری:- ایک مثنوی میں مختلف کردار ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا الگ الگ رول ہوتا ہے۔ ہر کردار کو اس کی فطرت کے مطابق ڈھالنا پڑتا ہے۔ مختلف مواقع اور حالات کے اعتبار سے ہر ایک کے جذبات کی تصویر کشی کرنی پڑتی ہے۔

منظر نگاری:- مناظر کی حقیقی تصویر کشی سے قصے کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ تصویر کشی حقیقت سے جس قدر قریب ہوگی اسی قدر اثر انگیز ہوگی۔ منظر دربار کا ہو کہ باغ کا، صبح کا منظر ہو کہ شام کا، بہار کا منظر ہو کہ خزاں کا، کوہسار کا ہو کہ آبشار کا ان کی فطری تصویریں پیش کی جائیں تو ان کا لطف ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ تصنع اور مبالغہ سے منظر نگاری کا حق ادا نہیں ہوتا۔

زبان و بیان:- مثنوی میں طرزِ اظہار بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ موضوع کے اعتبار سے زبان کا استعمال ہونا چاہئے۔ بزم کے بیانات میں جہاں شیریں لب و لہجہ ضروری ہے وہیں رزم کے بیان میں پرشکوہ الفاظ اور بلند آہنگی کا ہونا ناگزیر ہے۔ پرتکلف طرز کے مقابلے میں سادہ و پرکار اندازِ بیان زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

مثنوی میں کہنے کو ایک قصہ، واقعات کا گھڑا ہوا ایک سلسلہ، خیال اور اکثر اوقات فوق الفطرت یا خلافِ قیاس افسانہ ہو سکتا ہے لیکن واقعات کو جوڑنے اور ان کو انجام تک پہنچانے یعنی ان کے ارتقاء میں حیات کے بہت سے حسین اور قبیح پہلو آ جاتے ہیں۔ اس میں ڈرامائی مواقع اور بیان، مرقع نگاری کی شاعری کی لوچیات، طربیہ شاعری کی شگفتگی، حزنیہ شاعری کی اثر اندازی، رزمیہ اور قصیدہ کا طمطراق، غزل کی دل گدازی غرض سب کچھ سما سکتے ہیں۔ اس میں معنی آفرینی، جذبات نگاری اور منظر کشی کے بہترین نمونے قدم قدم پر ملتے ہیں۔

— ٭ —

Scanned with CamScanner

Teacher:- SOFIA SHIREEN 2nd Semester C.C. 3

میر تقی میر کی مثنوی نگاری

Notes: 2

میر تقی میر 1722-23 میں اکبر آباد میں پیدا ہوئے۔ میر کو خدائے سخن کہا جاتا ہے۔ ان کی شاعرانہ عظمت و رفعت سب پر عیاں ہے۔ میر نے 14 سال کی عمر میں دہلی کا سفر کیا ان کا کلام عوام میں کافی مقبول ہو گیا۔ میر کی زندگی مصیبت و آلام میں گزری۔ میر کی پر درد زندگی نے میر کے کلام میں اثر انگیزی پیدا کر دی۔ ان کے کلام میں درد کسک تڑپ کا جو انداز ہے وہ کسی کے یہاں شاید ہی ملے گا۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ میر کا کلام "آہ" ہے۔ جو دل سے نکلتا ہے اور دل میں اتر جاتا ہے۔ ان کی تصانیف میں نکات الشعراء، ذکر میر، کلیات میر، فیض میر، دیوان فارسی اہم ہیں۔

کلیات میر میں ہم کو کم و بیش ۳۷ مثنویاں ملتی ہیں۔ دریائے عشق، شعلۂ عشق، معاملات عشق، جوش عشق، ایک شکار نامہ، سفر برسات اور در حال عشق ایسی مثنویاں ہیں جو بہت مشہور ہوئی ہیں۔ میر سے بیشتر مثنویاں شخصی ہیں۔ ان کی مثنویاں میر حسن کی مثنویوں کی طرح خیالی اور افسانوی دنیا کی کہانی نہیں بلکہ ان کی ہی زندگی کے حادثات کی ترجمان ہیں۔ میر کی مثنویوں میں قصہ پن بہت کم ہے۔ میر نے چند صحیح صحیح واقعات بطور حکایت سیدھے سادے طور پر بیان کر دیئے ہیں۔ ان میں نہ کسی شادی کی تقریب کا بیان ہے اور نہ کسی پہاڑ جنگل یا باغ کی منظر کشی ہے۔ ان کی عشقیہ مثنویاں نشہ خیز اور عام مثنویوں کے برخلاف بے شرمی و بے حیائی کی باتوں سے پاک ہیں۔ میر نے اپنے محدود دائرے میں مثنوی کے فن کو ترقی دی۔

میر کی حیات اور ان کے فن کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان کے ذہن کو المیہ موضوعات سے بڑی وابستگی ہے۔ ان کے نزدیک عشق اور المیہ لازم و ملزوم ہیں چنانچہ ان کی مثنویوں میں عاشق اور معشوق دونوں ہلاک ہوتے ہیں۔ میر اپنی مثنویوں میں پرانی رومان نویسی اور قدیم داستان گوئی کے خلاف زندگی کی عام ممکن الحقوق سرگزشتیں بیان کی ہیں۔

میر عشق کے بیان کے کامیاب مدّاح اور ترجمان ہیں۔ ان کے یہاں عشق جاری و ساری ہے۔ مثنوی "دریائے عشق" میں عشق کے بارے میں لکھتے ہیں:

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال ہر جگہ اس کی اک نئی ہے چال

دل میں جا کر کہیں تو درد ہوا   کہیں سینے میں آہ سرد ہوا
طور پر جا کے شعلہ پیشہ رہا   ہے مستوں میں شرار تیشہ ہوا
جس کو ہے اس کی التفات نصیب   ہے وہ مہمان چند روز غریب

مثنویات میر کا دوسرا بڑا موضوع اپنے ماحول اور خارجی حالات کی ترجمانی ہے۔ ان میں مثنوی "شکار نامہ" خاص ہے۔ جس میں نواب آصف الدولہ کے شکار کا اور ان کے سفر کا مفصل حال لکھا ہے۔ بقول محمد حسین آزاد "اگرچہ اسکی زبان اچھی نہیں مگر کیفیت اور لطیف محاورہ سے خالی نہیں۔ اس میں متفرق غزلیں جا بجا لگائی گئی ہیں"

میر کی چھوٹی مثنویوں کا تعلق ان کی اپنی ذات یا قریبی ماحول سے ہے۔ مثلاً ایک مثنوی اپنے مرغ کے لئے لکھی ہے۔ ان کی مثنوی برسات کی شکایت میں بارش کی شدت سے گھر کا گرنا، مینہ برسنے میں گھر والوں کا نکلنا اس کا بیان بہت مزاحیہ انداز میں ہے۔ اسی طرح گھر کا حال، کھٹملوں کا حال، بکری کے متعلق مثنوی وغیرہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ ان کی مثنوی "اژدر نامہ"، "مثنوی تنبیہ الخیال" وغیرہ مشہور مثنویاں ہیں۔

میر کی طبیعت کا خاصہ اختصار پسندی ہے۔ جس کی وجہ سے میر قصہ گوئی کے مطالبات کو پورا نہیں کر پاتے۔ جذبات نگاری کے بجائے خیال آرائی کرتے ہیں اور شاعرانہ مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ گھریلو مثنویوں میں جذبات بے شک حقیقی اور واقعی ہیں مگر ان کا مطمع نظر نہایت محدود ہے۔ ان کی مثنویات کی بحریں موضوعات سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ ان کا طرز بیان اور نظم تناسب بھی مثنوی کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا مگر پھر بھی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے مثنوی کی تحریک کو کافی ترقی دی۔ ان کی گنگا جمنی زبان، بھولے بھالے رومان اور معصوم جذبات آپ بیتیوں نے ان کے دور کو بڑی حد تک متاثر کیا ہے۔ میر نے مثنوی میں ذاتی تجربات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کا انداز رائج کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ادب کا مورخ میر کا درجہ بحیثیت مثنوی نگار ماننے پر مجبور نظر آتا ہے۔

میر کی تمام مثنویوں میں ان کی عشقیہ مثنویوں کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ میر نے کل نو عشقیہ مثنویاں لکھی ہیں۔ جن عشقیہ واقعات

Scanned with CamScanner

کا انہوں نے اپنی مثنویوں میں ذکر کیا ہے وہ ان کی جوانی سے متعلق معلوم ہوتی ہیں۔ میر کے تصورِ عشق میں صحت مند پہلو بھی ہے جو ابتر حالات میں بھی جینے کا حوصلہ بخشتا ہے۔ ان مثنویوں میں عشق کے بارے میں جو خیالات اشعار میں پیش کئے گئے ہیں وہ اس دور کی عام زندگی اور افکار و اقدار پر تصوف کے گہرے اثرات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ خود میر کے والد بھی نصیحت کرتے رہے ہیں کہ "بیٹا عشق اختیار کرو۔ عشق ہی اس کارخانۂ ہستی کا چلانے والا ہے اگر عشق نہ ہوتا تو نظامِ عالم قائم نہ ہوتا۔ بغیر عشق کے زندگی وبال ہے" میر پر اس نصیحت کا بہت گہرا اثر پڑا اور انہوں نے اپنے دل کا خمیر عشق سے تیار کیا۔ اسی وجہ سے میر کے یہاں عشق کا ایک مخصوص نظریہ ملتا ہے جس میں زمانے کی معاشرت اور خارجی دنیا کے گہرے نقوش نظر آتے ہیں بلکہ جذبات و احساسات میں داخلیت اور تقدیر پرستی کا رجحان غالب ہے۔ دراصل معاشرت اور تہذیب اپنے عروج کے بعد زوال کی طرف مائل ہو چکی تھی اور اس زوال آمادہ تہذیب نے انسان کی قوتِ عمل کو مفلوج کر دیا اور انسان کو صابر و شاکر اور تقدیر پرست بنا دیا ہے۔ میر نے اسی زوال آمادہ تہذیب کی روح کو مختلف مثنویوں میں سمویا ہے۔

مثنویوں میں بھی میر کی پیاری دلکشی اور دل کو موہ لینے والی زبان ہے اس لئے یہ پُرکشش بن گئی ہیں۔ ان کی غزلوں کی روح ان کی مثنویوں میں بھی سرایت کر گئی ہے۔ غزلوں کا منفرد مزاج یہاں بھی متاثر کرتا ہے۔ مثنویوں کے بعض حصوں میں جذباتی کیفیتیں ایسی ہیں کہ جن سے وجدان کی سرمستی کی پہچان ہوتی ہے، خاص طور پر وہاں جہاں وہ عشق کے تعلق سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور — نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور
محبت مسبب محبت سبب — محبت سے آتے ہیں کارِ عجب

میر نے جس سے عشق کیا تھا وہ پردہ نشین خاتون تھی۔ اس ادھورے عشق نے میر کو وقتی تو ہیجان بنایا لیکن تصوف نے ان کی شاعری کو صوفیانہ رنگ سے سجا دیا۔ ان کا ماننا ہے کہ عشقِ حقیقی کا راستہ عشقِ مجازی سے ہی گزرتا ہے۔ ان کی غزلوں کے علاوہ ان کی مثنویوں میں بھی عشقِ حقیقی اور مجازی کا حسین سنگم دکھائی دیتا ہے۔

— x —

Scanned with CamScanner

مثنوی دریائے عشق ایک تجزیاتی مطالعہ

میر کو خدائے سخن کہا جاتا ہے۔ اس کی عظمت و رفعت سب پر عیاں ہے۔ میر کی زندگی درد و الم میں گزری۔ میر کی پر درد زندگی نے میر کے کلام میں اثر انگیزی پیدا کر دی۔ ان کی تصانیف میں نکات الشعراء ذکر میر، کلیات میر، فیض میر اور دیوان فارسی ہیں۔

کلیات میر میں ہم کو کم و بیش ۳۵ مثنویاں ملتی ہیں۔ دریائے عشق، شعلۂ عشق، معاملات عشق، جوش عشق، درحال عشق وغیرہ کافی مشہور ہیں کیونکہ یہ عشقیہ مثنویاں ہیں۔ ان مثنویوں میں ابتدا میں عشق کے بارے میں جو خیالات پیش کئے گئے ہیں وہ اس دور کی عام زندگی اور افکار و اقدار پر تصوف کے گہرے اثرات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ دراصل معاشرت اور تہذیب اپنے عروج کے بعد زوال کی طرف مائل ہو چکی تھی اور اسی زوال آمادہ تہذیب نے انسان کی قوت عمل کو مفلوج کر دیا اور انسان کو صابر و شاکر اور تقدیر پرست بنا دیا۔ اسی زوال نے انسان کو تصوف یعنی حقیقی عشق کی طرف مائل کر دیا۔

مثنوی "درحال عشق" میر کی ایک اہم مثنوی ہے۔ میر نے اپنے جذبات کی اسی مثنوی کے مزاج میں شامل کیا ہے۔ اسی مثنوی کے ~~ابتدائی~~ ابتدائی اشعار پڑھنے کے بعد یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ساری کائنات عشق کے محور پر گھوم رہی ہے

پرفشاں تھا ٹک جو طاؤس قدم
آسماں پر آسماں پہنچے بہم

عشق اپنا آپ ہی مشہد ہوا
تھا جو پنہاں پردے میں پیدا ہوا

نظم کل کا محول کہا عشق نے
انس سے انساں نکالا عشق نے

وہ حقیقت سب میں یاں ساری ہوئی
ہے گی ہر شئے عشق کی ماری ہوئی

چار سو ہنگامہ آرا عشق ہے
عشق کیا کہیے کہ کیا کیا عشق ہے

میر کو عشق کی تعلیم اپنے والد کے ذریعہ ورثہ میں ملی تھی۔ انہوں نے میر کو عشق اختیار کرنے کی تلقین کی تھی۔ خود میر نے بھی اپنے متعدد اشعار میں عشق کا اپنا تصور پیش کیا ہے۔ یوں تو میر نے نو 9 عشقیہ مثنویاں لکھی ہیں لیکن "درحال عشق" وہ مثنوی ہے جس میں انہوں نے جذبات عشق کو واضح طور پر پیش کیا ہے۔

Scanned with CamScanner

Teacher: DR. SUFIA SHAHEEN
2nd Semester

CC: 3
Notes: 3
Pg-2

حسن و عشق کے تعلق سے تخلیقی فنکار کوئی تجربہ پیش کرتا ہے تو وہ عموماً خوبصورت ہی ہوتا ہے۔ حسی کیفیتوں کے ساتھ پیش ہو تو اور بھی خوبصورت اور دلکش ہو جاتا ہے۔ "در حال عشق" کا موضوع بھی عشق ہی ہے۔ میر خود ایک حساس عاشق کا پیکر تھے۔ مذکورہ ذکر مثنوی میں شاعر کے حساس عاشق کے پیکر کی پہچان مشکل نہیں ہے۔ اس ~~مثنوی میں~~ میر کی دل موہ لینے والی زبان نے اس مثنوی کو پرکشش بنا دیا ہے۔ ان کی غزلوں کی روح مثنوی میں سرایت کر گئی ہے۔ مثنوی کے بعض حصوں میں جذباتی کیفیتیں ایسی ہیں کہ جن سے وجدان کی سرمستی کی پہچان ہوتی ہے۔ خاص طور پر وہاں کہ جہاں وہ عشق کے تعلق سے اپنے خیالات کا اظہار کر رہے ہیں۔

عشق ہی کا ہے جہاں میں سب ظہور — نور و ظلمت ہو کہ ہو ظل و حرور
عشق گل ہے عشق بلبل عشق بو — عشق ہے سرو چمن عشق آب جو
ہے کہیں بندہ کہیں ہے یہ خدا — عشق کی ہے ہر جگہ شان جدا
عشق ہر کشور میں لاتا ہے کتاب — عشق کے لوگوں سے ہیں کیا کیا خطاب
یاں سے پیغمبر ہے لایا عشق کا — عشق کو پیغام آیا عشق کا

میر "شرینگار رس" کے ایک ممتاز شاعر ہیں۔ عشق ہی شرینگار رس کا مرکز ہے۔ اس کی تحریک سے یہ رس اپنی شیرینی اور میٹھاس عطا کرتا ہے۔ اس سے شعور احساس تخیل سب متاثر ہوتے ہیں۔ یہاں شرینگار رس کی تازگی لئے جو اشعار سامنے آئے ہیں وہ قابل توجہ ہیں۔ اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے اور ماضی کے عشق و حسن کے قصوں کو مختصراً سمیٹتے ہوئے میر کا احساس جمال بھی متاثر کرتا ہے اور ان کی رومانیت بھی ذہن کو پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ذہن کے کینوس پر مختلف رومان پرور قصوں کی ہلکی لکیروں سے کتنی خوبصورت تصویر ابھری ہے۔

عاشق و معشوق رفتہ عشق کے — یعنی دونوں سینہ تفتہ عشق کے
عمر کی آتش عشق کی دونوں جلے — ڈوبے دریا میں ہوں گے پانی تلے
یا جلایا ایک ہندوستان کے طور — جا جلے ہے ان بھی اس بے حال کے طور
جل چلے کو ہندی کہتے ہیں ستی — ست بمعنی استقامت واقعی
ان میں جا بیٹھے زن کا ظرف کیا — عشق ہی کا جاذبہ دے ہے جلا

الغرض اردو کی کلاسیکی مثنویوں میں "در حال عشق" بھی نمایاں مقام رکھتی ہے۔

— x —

Scanned with CamScanner

Teacher :- DR. SUFIA SHIREEN
2nd Semester

مثنوی اور اس کا ارتقاء

مثنوی اس پابند نظم کو کہتے ہیں۔ اس میں ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ مثنوی عام طور پر چھوٹے بحروں میں لکھی جاتی ہے مگر یہ کوئی کلیہ نہیں ہے۔ حفیظ جالندھری کا "شاہنامہ اسلام" مثنوی کے مروجہ بحروں کے برخلاف بڑی بحر میں ہے۔ مثنوی اپنے مضمون کے لحاظ سے عشقیہ مثنوی، رزمیہ مثنوی، مذہبی مثنوی یا تاریخی مثنوی کہی جاتی ہے۔

اردو شاعری کی ابتدا چونکہ دکن سے ہوئی اس لئے مثنویاں سب سے پہلے دکن ہی میں لکھی گئیں جن میں شاہ میراں جی کی مثنوی خوش نامہ، غواصی کی سیف الملوک و بدیع الجمال، ابن نشاطی کی پھول بن، وجہی کا پنچھی نامہ جو فارسی کے منطق الطیر کا ترجمہ ہے، بہت مشہور ہوئی۔ اس کے علاوہ علی نامہ میں علی عادل شاہ کے حالات زندگی نظم کئے گئے ہیں۔ ولی کی دہ مجلس اور سراج اورنگ آبادی کی مثنوی بوستان خیال بھی اپنے زمانہ کی مقبول مثنویاں تھیں۔

اردو شاعری جب دلی پہنچی تو وہاں شعراء نے غزل کے ساتھ ساتھ مثنوی میں بھی طبع آزمائی کی۔ سودا نے متعدد مثنویاں لکھیں۔ میر تقی میر کی "دریائے عشق" اپنی تاثیر اور سوز و گداز کے لحاظ سے ایک کامیاب مثنوی ہے۔ مصحفی نے اسی مثنوی کے قصے کو دوبارہ نظم کیا اور "دریائے محبت" نام رکھا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک مثنوی کا رواج کم رہا، یہاں تک کہ میر حسن نے مشہور زمانہ مثنوی "سحر البیان" لکھی۔ یہ مثنوی آج تک اتنی مقبول خاص و عام ہے کہ باقی دوسری مثنویاں اس کے آگے ماند پڑ گئیں۔ میر حسن کی مثنوی میں قصہ تو وہی مافوق الفطرت قسم کا ہے جس کے لئے اردو کی مثنویاں مشہور ہیں۔ مگر اس میں تسلسل بیان، زبان کی لطافت، جذبات نگاری کے ایسے جوہر ہیں جنہوں نے ایک عالم سے خراج تحسین وصول کیا۔ اسی زمانہ میں خواجہ میر درد کے بھائی میر اثر نے مثنوی "خواب و خیال" لکھی، جسے مولانا عبدالحق اردو کی سب سے اچھی مثنوی قرار دیتے ہیں۔

انیسویں صدی کے نصف اول تک مثنوی میں مافوق الفطرت اور طویل داستانوں کا رواج رہا۔ مومن نے اپنی محبت کی داستانوں کو مثنویوں میں قلم بند کیا۔ لکھنؤ میں آتش کے شاگرد پنڈت دیا شنکر نسیم نے مثنوی "گلزار نسیم" لکھی جو بے حد مقبول ہو گئی۔ گلزار نسیم شاعری اور صناعی کا بہترین نمونہ ہے۔ قصے کے لحاظ سے تو اس میں بھی وہی ساحروں اور جادوگروں کے کارنامے ہیں۔ مگر صنائع بدائع اور رسوم معاشرت کے بیان کے لحاظ سے اس میں بڑی ندرت اور تازگی ہے۔

Scanned with CamScanner

دیا شنکر نسیم کے بعد دوسرے اہم مثنوی نگار نواب مرزا شوق ہیں، جن کی تین مثنویاں بہارِ عشق، فریبِ عشق اور زہرِ عشق ہیں۔ ان مثنویوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ ان میں خصوصیت سے "زہرِ عشق" اپنی جذبات نگاری اور اثر آفرینی کی وجہ سے بہت مشہور ہوئی اور اس کے بہت سے شعر ضرب المثل بن گئے ہیں۔

قلق کی مثنوی "طلسمِ الفت" بھی مشہور ہے۔ اودھ کے آخری تاجدار نواب واجد علی شاہ اختر نے بھی متعدد مثنویاں تصنیف کیں۔ جن میں "حزنِ اختر" مشہور ہوئی۔ اس مثنوی میں انہوں نے اپنی داستانِ غم بیان کی ہے۔ اس لیے اس میں تاثر کا عنصر کافی ہے۔ ان کی دیگر مثنویاں زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں۔

انیسویں صدی کے آخر تک مثنویوں کا مذاق لوگوں میں کم ہو گیا۔ اس طرز کی آخری کوشش احمد علی شوق کی مثنوی ترانۂ شوق ہے۔ قدیم طرز کی مثنویوں کی ترکیب اس طرح ہوتی تھی۔ پہلے حمد، نعت، منقبت اور پھر بادشاہِ وقت کی مدح اس کے بعد ساقی سے خطاب اور آغازِ داستان، پھر واقعات کا پیچ در پیچ سلسلہ اور انجام پھر دعائیہ کلام اور اختتام۔

جدید نظموں کا رواج ہوا تو آزاد اور حالی نے مثنویوں سے قومی اور وطنی شاعری کا کام لیا۔ آزاد نے مثنوی ~~[illegible]~~ زمستان، شبِ قدر اور ابرِ کرم" لکھیں۔ حالی نے برکھا رت، چپ کی داد، حبِ وطن اور بیوہ کی مناجات نامی مثنویاں لکھیں۔ حالی اور آزاد نے مثنویوں کا قدیم طریقہ ختم کر کے نئے طرز کی بنیاد ڈالی اور حقیقت و صداقت کو مثنویوں میں داخل کر کے قومی تہذیب کی ترقی کا کام مثنویوں سے لیا۔ حالی اور آزاد سے پہلے محسن کاکوروی مذہبی خیالات اور نعتیہ انداز کی مثنویاں چراغِ کعبہ، صبحِ تجلی، نگارستانِ الفت اور فغانِ محسن کے نام سے لکھ چکے تھے۔

موجودہ زمانہ میں مثنوی کے باب میں سب سے بڑا کارنامہ اقبال کا ساقی نامہ ہے۔ جس کا فارم اور انداز قدیم ہے۔ لیکن خیالات جدید ہیں۔ اس مثنوی میں انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ کیا ہے اور ملک کے نوجوانوں کو خودی اور بیداری کا پیغام دیا ہے۔ یہ مثنوی اپنی کیفیت، سوز و گداز، تڑپ اور بلند آہنگی نیز تسلسلِ بیان کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ اقبال نے ساقی نامہ لکھ کر یہ ثابت کر دیا ہے کہ مثنوی اس زمانہ میں بھی ایک کامیاب صنفِ سخن کے اعتبار سے

Scanned with CamScanner

جدید خیالات کی ترویج و اشاعت کے لئے کامیابی سے استعمال کی جا سکتی ہے اقبال نے جو راہ دکھائی تھی اسے سردار جعفری نے اپنے سیاسی خیالات کے اظہار کے لئے استعمال کیا۔ "نئی دنیا کو سلام" میں انہوں نے مثنوی کے فارم کو بڑی کامیابی اور دور اندیشی سے استعمال کیا ہے۔

سردار جعفری سے پہلے حفیظ جالندھری طویل بحر میں ایک مثنوی "شاہنامہ اسلام" کے نام سے لکھ کر بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل کر چکے تھے۔ فردوسی کے شاہنامے کی طرز پر انہوں نے بڑی کامیاب اور مکمل مثنوی لکھی ہے پرانی مثنویوں میں اگرچہ خلاف عادات واقعات کا حصہ زیادہ ہوتا ہے مگر اس میں شک نہیں ہے کہ سماجی رسوم، تہذیب معاشرہ، ماحول اور مذاق کا ان میں بڑا اچھا بیان ملتا ہے۔ مثلاً شادی و غمی کے موقع پر جو لوازمات اکٹھا کئے جاتے ہیں اور جو رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ ان کا مفصل بیان سحرالبیان اور گلزار نسیم میں ملتا ہے۔ اس کے علاوہ علم و حکمت، آلات حرب اور فنون سپہ گری و شمشیر زنی، نجوم، رمل وغیرہ کے بارے میں معلومات کا خزینہ مثنویوں کے ذریعہ ہاتھ آجاتا ہے۔ اسی لئے قدیم مثنویوں کی اہمیت کسی زمانے میں کم ہونے کا امکان نہیں ہے۔

عہد حاضر میں مثنویوں کا رواج نہ ہونے کے برابر ہے مگر شعراء اس صنف سخن سے بہت کام لے سکتے ہیں۔ یاں عرق ریزی اور محنت شرط ہے۔

Scanned with CamScanner

Teacher-: Dr. SOFIA SHIREEN
2nd Semester

C.C: 3
Objective
Pg-1

۱) شمالی ہند کی دو اہم مثنویوں کے نام لکھو۔
جواب :- سحر البیان اور گلزار نسیم

۲) دکن کی دو اہم مثنویوں کے نام لکھو۔
جواب :- قطب مشتری اور پھول بن

۳) میر حسن کے دو اہم عصر شعراء کے نام بتائیے۔
جواب :- میر تقی میر اور مرزا محمد رفیع سودا

۴) میر حسن کی شاہکار تصنیف کا نام بتائیے۔
جواب :- "سحر البیان" میر حسن کا لافانی شاہکار ہے۔

۵) مثنوی سحر البیان میں کس معاشرے کی تصویر کشی کی گئی ہے!
جواب :- لکھنوی معاشرے کی تصویر کشی کی گئی ہے

۶) "زہر عشق" کس کی مثنوی ہے؟
جواب :- مرزا شوق لکھنوی کی

۷) نواب واجد علی شاہ نے کون سی مثنوی تصنیف کی ہے! جو ان کی آپ بیتی ہے۔
جواب :- حزن اختر ان کی آپ بیتی مثنوی ہے۔

۸) میر تقی میر کی چند مثنویوں کے نام بتایئے۔
جواب :- شعلۂ عشق، دریائے عشق اور معاملات عشق

۹) میر تقی میر کی مثنویوں کے موضوعات کیا ہیں؟
جواب :- ان کی مثنویوں کے زیادہ تر موضوعات عشق ہے۔

۱۰) مثنوی سحر البیان کا دوسرا نام کیا ہے؟
جواب :- مثنوی بدر منیر

۱۱) میر کی مثنوی "دریائے عشق" کو مصحفی نے دوبارہ کس نام سے لکھا؟
جواب :- مصحفی نے "دریائے محبت" کے نام سے دوبارہ نظم کیا۔

Scanned with CamScanner

Teacher:- Dr. Sofia Shireen
2nd Semester

C.C: 3
Objective
Pg-2

۱۱) خواب و خیال ایک بہترین مثنوی ہے یہ کس شاعر کی تخلیق ہے؟
جواب:- مرزا اثر لکھنوی کی

۱۲) کس شاعر نے مثنوی میں آپ بیتی لکھی ہے؟
جواب:- واجد علی شاہ اور میر تقی میر نے

۱۳) اردو کی مشہور مثنوی شاہنامہ اسلام کس کی تصنیف ہے؟
جواب:- حفیظ جالندھری

۱۴) کون سی صنف بیانیہ شاعری تصور کی جاتی ہے؟
جواب:- مثنوی بیانیہ شاعری کی صنف ہے۔

۱۵) مثنوی کے لغوی معنی میں کیا ہے؟
جواب:- دو دو یا دو جز والی چیز

۱۶) ~~مثنوی~~ کس صنف میں ردیف کا استعمال نسبتاً کم ہوتا ہے؟
جواب:- مثنوی میں

۱۷) مثنوی کا اردو کی حد تک اصل مزاج کیا ہے؟
جواب:- وارداتِ عشق کا بیان ہے۔

۱۸) سحر البیان کے بعد لکھنؤ کی دوسری بہترین مثنوی کیا ہے؟
جواب:- گلزار ارم

۱۹) مافوق الفطرت عناصر کس صنف شاعری میں پائے جاتے ہیں؟
جواب:- مثنوی میں (قدیم طرز کی مثنوی میں)

۲۰) سحر البیان کو نثر میں کس نے نثر بے نظیر کے نام سے پیش کیا ہے
جواب:- میر بہادر علی حسینی نے

—x—